اخلاقِ نبوی ﷺ
کے تناظر میں موجودہ معاشرہ
عنیزہ غزالی
عائشہ ظہیر
لائبہ حنیف
حلیمہ ظہیر

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے

تناظر میں موجودہ معاشرہ

مصنفین

عنیزہ غزالی، عائشہ ظہیر، لائبہ حنیف، حلیمہ ظہیر

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

انتساب

ہمارے والدین کے نام

جنھوں نے ہماری پرورش کی اور جن کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں۔

تمام ترامتِ مسلمہ کے نام

جن سے دین کی بنیاد پر ایک مضبوط و مستحکم رشتہ قائم ہے۔

کلماتِ تشکر

تمام تر تعریف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ہے جس کی توفیق اور احسان کی بدولت یہ کتاب شروع ہوئی اور تکمیل کو پہنچی۔ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس کی حمد بیان کرتے ہیں جس نے ہمارے ذہنوں میں اس کام کا خیال ڈالا اور اسے ہمارے ہاتھ سے مکمل کروایا۔ بعد از حمد باری تعالیٰ ہم آخری رسول خاتم النّبیین حضرت محمد ﷺ پر درود و تسلیم کے ساتھ اس کتاب کا آغاز کرتے ہیں کہ جن کے ذریعے دین و ہدایت حق کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ پیشِ خدمت کتابچہ **'اخلاقِ نبوی ﷺ کے تناظر میں موجودہ معاشرہ'** سنت کو زندہ کرنے کی ایک چھوٹی سی کاوش ہے۔ یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا ہے کہ آپ ﷺ کے سکھائے ہوئے آدابِ زندگی سب سے بہترین اخلاق ہیں اور ان اخلاق کو زندہ کر کے ہم معاشرے سے بہت سی برائیوں کا تدارک کر سکتے ہیں۔ ان ﷺ ہی کے اخلاق کی بدولت ہم اپنے معاشرے کو غیر اخلاقی حرکات سے پاک، صاف ستھرا اور مہذب معاشرہ بنا سکتے ہیں گو کہ نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی اخلاقِ حسنہ کا بہترین نمونہ ہے لیکن ابتدائی کام کے طور پر ہم نے آپ ﷺ کی چند عادات کو منتخب کر کے ان پر مختصر کام کیا ہے۔ کتاب کا مقصد اس سوچ کو عام کرنا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ ہی بلاشبہ وہ جواہر ہیں جو اگر کسی شخصیت میں داخل ہو جائیں تو اسے نکھار دیتے ہیں اور معاشرے میں شامل ہو جائیں تو اسے سنوار دیتے ہیں۔ اس کتاب کی غرض و غایت یہ ہے کہ یہ بات قارئین کے ذہنوں میں پختہ کر دی جائے کہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات ہر دور میں قابلِ عمل ہیں اور ہر معاشرہ ان کے ذریعے فلاح پا سکتا ہے۔ اس کتاب کی تیاری کے سلسلے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کو ہمارا مددگار بنایا۔ ہم **جناب ناصر احمد صاحب** کے تہہ دل سے مشکور ہیں کہ جن کے علم سے اس کتابچہ کی تیاری کے دوران ہم بے حد فیض یاب ہوئے۔ احادیث جمع کرنے، درست الفاظ چننے اور سوالات کے مفصل جواب دینے میں انھوں نے ہمارے ساتھ جو تعاون کیا وہ ہماری تحقیق میں نہایت مفید ثابت ہوا۔ ہم **فاطمہ ظہیر** کے بھی مشکور ہیں جنھوں نے ٹیکنکل کاموں میں ہمارا بڑھ چڑھ کر ساتھ دیا۔ کتاب کے فائنل مراحل کبھی آسان نہ ہوتے اگر **ایمن نعیم** سرورق تیار نہ کرتیں اور **فضّہ فاطمہ** اس کتابچہ کی ترتیب و تدوین کے فرائض انجام نہ دیتیں۔ ہم ان سب کے مشکور ہیں جنھوں نے اپنی کتاب سمجھ کر اس پر محنت کی اور ہمہ وقت ہماری ترجیحات کو نہ صرف توجہ سے سنا بلکہ ہر حال میں ان ترجیحات کا خیال بھی رکھا۔ یہاں ہم ان تمام لوگوں کا دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں جنھوں نے ہمارے بھیجے ہوئے سوال نامے کو پُر کیا اور اس مقصد کے لیے اپنا قیمتی وقت فراہم کیا۔ ہم **فاطمہ شاہ پی اے بی سیکنڈری اسکول فار داؤ ڈ نگلی ایمپیئرڈ گرلز** کی انتظامیہ کے بے حد ممنون ہیں جنھوں نے اس سرگرمی کے انعقاد، کتاب کی تیاری اور چھپائی کے لیے اپنا پلیٹ فارم مہیا کیا اور کام کرنے کی مکمل آزادی دی۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ ہماری کوشش کو قبول فرمائے اور اس سلسلے میں مزید کام کرنے کے لیے ہمیں چن لے۔ اللہ اس کتاب پر محنت کرنے والوں کے اجر کو بڑھا دے اور پڑھنے والوں کو اس کی خیر پہنچا دے۔ **آمین**۔

کتاب کی تحریر و ترتیب: ہم نے کیا سیکھا؟

یہ کتاب جن مصنفات نے تحریر کی ان میں تین طالبات اور ایک معلّمہ شامل ہیں۔ کتاب کی تحریر و ترتیب کے مقاصد کے اعتبار سے طالبات اور معلّمہ کے نقطۂ نظر اور سیکھنے کے تجربات میں فرق ہے چناں چہ اگلی چند سطور میں دونوں کی جانب سے کتاب کا مقصد پیش کیا گیا ہے تاکہ پڑھنے والے اس مقصد کو سمجھتے ہوئے پڑھیں اور غور کرنے والے اسے لے کر آگے چل سکیں۔

تمام تر حمد کی مستحق اللہ رب ذوالجلال والاکرام کی ذات ہے جس کی دی ہوئی توفیق سے تمام کام تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ جب میں نے ایک جماعت میں معاشرتی علوم کی تدریس کے دوران مردم شماری کی سرگرمی منعقد کروائی تو میری اسلامک اسٹڈیز کی یہ طالبات انتہائی شوق اور محبت سے کوئی سرگرمی شروع کرنے پر اصرار کرنے لگیں۔ میں نے بارہا انھیں سمجھایا کہ آپ کا بورڈ کا سال ہے، ذہن بٹ جائے گا لیکن یہ مصر تھیں کہ کچھ نہ کچھ انھیں بھی کروایا جائے۔ ان کے اس شوق کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے سیرت سرگرمی ترتیب دی اور طے کیا کہ ان طالبات سے تحقیق کروا کر سنت کو نہ صرف ان کے اذہان میں تازہ کیا جائے بلکہ معاشرے میں جہاں تک ممکن ہو اخلاقِ نبوی ﷺ کی تعلیم کو عام کیا جائے۔ یوں طالبات تحقیق کا فن بھی سیکھ جائیں گی، ان میں کسی بھی موضوع سے متعلق مزید جاننے کی لگن بھی پیدا ہو گی اور سنت کی اہمیت بھی اجاگر ہو سکے گی۔ مزید یہ کہ جب یہ طالبات کام کرنے کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کریں گی تو ان میں جماعت میں کام کرنے کی برکت سے شناسائی پیدا ہو گی اور برداشت اور تحمل مزاجی ان کی شخصیت کا جزو بن جائے گی۔ جب کتاب کا آغاز ہوا تو طالبات کی محنت، تابع داری، مسلسل کوشش اور ہمت واستقامت سے سیکھنے کے جذبے نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ کچھ سمجھ نہ آتا تو بار بار سوالات کرتیں، کام چیک کرانے کے لیے پرجوش رہتیں، بار بار کام کو بہتر بنانے کے لیے تجاویز طلب کرتیں اور جہاں موقع پاتیں، اس مقصد کے لیے مجھ سے وقت لے لیتیں یہاں تک کہ اپنے جوابات کے حصول کے لیے فارغ اوقات اور واٹس ایپ کی سہولت سے بہترین فائدہ اٹھاتیں۔ ان کی خوش اسلوبی اور دل جمعی نے جہاں مجھے خوش کیا وہیں مجھے اس نتیجے پر بھی پہنچایا کہ ہمارے بچے کام کرنے اور تحقیق میں آگے بڑھنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگر موجودہ نسل محنت سے جی چراتی نظر آتی ہے، کتابوں سے دور ہے یا تحقیق کے فن سے ناآشنا ہے تو اس کی ذمہ داری کہیں نہ کہیں ہم معلّمین پر عائد ہوتی ہے جو ان بچوں کو ویسی تربیت فراہم نہیں کر رہے جیسی تربیت حاصل کرنے کے یہ مستحق ہیں۔ اگر ہم نوجوان نسل کے بگڑنے کی محض شکایت کرنے پر ہی اکتفا نہ کریں اور ازخود اپنے اپنے دائرہ کار میں ان کی اصلاح کے کام پر کمربستہ ہو جائیں تو یقینی طور پر یہ بچے نہ صرف خود پختہ سمجھ بوجھ کے حامل ہوں گے بلکہ معاشرتی سدھار کے لیے انتہائی موثر کارنامے

بھی سرانجام دے سکیں گے۔ یہ نئی نسل دین کا بہترین سرمایہ بن سکتی ہے بشرطیکہ ہم معلّمین اس دولت سے درست طور پر فائدہ اٹھانے والے ہوں اور اسے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ بہ طورِ سرمایہ استعمال کرنے والے ہوں۔ ورنہ بلا منصوبہ بندی کے کروڑوں اور اربوں کی دولت بھی ضائع ہو جاتی ہے۔

عنیزہ غزالی

سینیئر ٹیچر،

فاطمہ شاہ پی اے بی سیکنڈری اسکول فار داؤ ژونئی اپیسیئرڈ گرلز،

کراچی،

۲۰۲۴/۳/۳۱

ہم فاطمہ شاہ پی اے بی سیکنڈری اسکول میں جماعت دہم کی طالبات ہیں۔ ہمارا اس کتاب کو تحریر کرنے کا اصل مقصد اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ ہماری زندگی کی پہلی کتاب ہے جسے ہم نے لکھا۔ اسے لکھنے کے دوران ہمیں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ ہمیں خوشی ہے کہ جو کام طالبِ علم جامعہ کے درجے پر جا کر سیکھتے ہیں، وہ ہماری معلّمہ نے ہمیں جماعت دہم میں سکھایا۔ ہمیں تحقیق کا طریقہ سکھایا، گوگل فارم بنانا، کمپائلنگ کرنا اور سب سے بڑھ کر ہمیں ٹیم ورک سکھایا۔ ہم اپنی معلّمہ کے بے حد مشکور ہیں کہ جنھوں نے ہر قدم پر ہمارا ساتھ دیا اور ہماری کوششوں کو سراہا۔ نیز اس کتاب کو لکھنے کے بعد ہمارے اندر خوداعتمادی پیدا ہوئی اور مزید اسلامی موضوعات پر تحقیق کی جانب ہمارا رجحان بڑھا۔ اگر ہم تینوں اپنا تذکرہ کریں تو ہماری ہمیشہ سے خواہش تھی کہ ہم ایک کتاب ٹیم پارٹنرز کی صورت میں لکھیں اور آج الحمدللہ ہماری یہ خواہش پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں۔ آمین۔

لائبہ حنیف، حلیمہ ظہیر، عائشہ ظہیر

طالبات جماعت دہم،

فاطمہ شاہ پی اے بی سیکنڈری اسکول فار داؤ ژونئی اپیسیئرڈ گرلز،

کراچی،

چوبیس اپریل ۲۰۲۴

فہرست

باب اول:

تعارف

ہمارے پیارے نبی ﷺ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد اب قیامت تک نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ غرض یہ کہ اب کوئی نبی دنیا میں تشریف نہیں لائے گا۔ آپ ﷺ پر اللہ نے قرآن اتارا اور نبی ﷺ کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بہترین نمونہ بنادیا۔ لہٰذا ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب: ۲۱)

"بلاشبہ، یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ سے اور یومِ آخرت سے اُمید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔"

آپ ﷺ کی عادات، معاملات، اطوار اور اخلاق سب ہم مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ خواہ وہ معاشرتی زندگی ہو یا معاشی، انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، ہر اعتبار سے ہمارے لیے زندگی گزارنے کے خوبصورت پہلو آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں موجود ہیں۔ آپ ﷺ کا اخلاق عمدہ وارفع تھا جس کی گواہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خود قرآن میں دی کہ:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: ۴)

"اور بے شک آپ (نبی ﷺ) البتہ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر ہیں۔"

آپ ﷺ انتہائی نرم دل تھے، سخت دل نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ آپ ﷺ کی جانب کھنچے آتے تھے اور آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے تھے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۚ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران: ۱۵۹)

"اللہ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، تو آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں پھر جب آپ کسی کام کا عزم کرلیں تو اللہ پر توکل کریں۔ بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم ترین مقصد لوگوں کے قلوب کا تزکیہ کرنا اور اخلاقِ اعلیٰ کی تکمیل ہے۔

آپ ﷺ نے اس انداز سے زندگی گزاری کہ اخلاقِ حسنہ کا نہایت مفصل نقشہ لوگوں کے سامنے کھینچ دیا نیز معاشرے کے ہر طبقے کے ساتھ مؤثر سلوک کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ بچوں، بوڑھوں، یتیموں، مسکینوں، غلاموں، عورتوں بالخصوص بیواؤں اور ہر ایک کے لیے رحم دل اور شفیق تھے۔ آپ ﷺ کا اخلاق بہت بلند تھا۔ آپ ﷺ اس اخلاق سے آراستہ تھے جو قرآن کا بتایا ہوا ہے۔ جس طرف ہر معاملے میں قرآن نے رہنمائی کی ہے، وہی آپ ﷺ کا اخلاق تھا۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ :

نبی ﷺ کا اخلاق تو قرآن ہی تھا۔ (صحیح مسلم)

کوئی شخص جب آپ ﷺ سے پہلی بار ملاقات کرتا تو جلالِ نبوی سے مرعوب بھی ہو جاتا لیکن آپ ﷺ کی شخصیت، کردار، متانت اور سنجیدگی اسے بے حد متاثر کرتی۔ جیسے جیسے وہ آپ ﷺ سے ملتا، ساتھ اٹھتا بیٹھتا، آپ ﷺ سے گفتگو کرتا یا کوئی لین دین کرتا، وہ آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق سے اتنا متاثر ہوتا کہ آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے ایسی شدید محبت کرتے تھے کہ جس کی مثالیں آج بھی کتابوں کے اوراق میں موجود ہیں اور تاریخ میں کہیں ایسی لازوال محبت کی نظیر نہیں ملتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپ ﷺ سے محبت آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی ویسے ہی قائم رہی جیسے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں تھی۔ یہ آپ ﷺ کا اخلاق ہی تھا جس نے دینِ اسلام کی اشاعت میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔

آپ ﷺ کی خوبی یہ تھی کہ آپ ﷺ اپنے ذاتی معاملات میں کبھی کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے، کبھی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، اپنے گھر والوں کے ساتھ بہترین رویہ رکھتے تھے، عیب جوئی نہیں کرتے تھے، کسی بات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے، بے مقصد گفتگو نہیں کرتے تھے، اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے اور بے حد فیاض تھے۔ ہند بن ابی ہالہ نے آپ ﷺ کے چند اوصاف یوں بیان فرمائے کہ :

"آپ ﷺ نرم خو تھے، سخت اور تنگ دل نہ تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہارِ تشکّر فرماتے تھے، کھانے کی مذمت نہ کرتے تھے، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے، ایسی گفتگو فرماتے تھے جو بالکل واضح ہوتی تھی، بے مقصد کلام نہیں فرماتے تھے، ذاتی امور میں کسی سے انتقام نہ لیتے تھے البتہ اگر کوئی شخص اللہ اور دین کی حدود سے تجاوز کرتا تو سخت غضب ناک ہوتے تھے۔"

اگر ہم موجودہ معاشرے میں آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو اپنائیں تو ایک مثالی معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔ اسی سوچ کے پیشِ نظر ہم نے اس کتابچہ میں آپ ﷺ کی چند عادات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے کیوں کہ ایک چھوٹی سی کتاب میں

آپ ﷺ کی تمام عادات کا احاطہ کرنا ناممکن تھا۔ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو ایسا ہے کہ جس پر بہت کچھ تحریر کیا جا سکتا ہے۔ لٰہذا ہم نے جن چند عادات کو منتخب کیا ان میں بھوکوں کو کھانا کھلانا، یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک، قہقہہ نہ لگانا، برے نام نہ رکھنا، تکبر کی ممانعت کے لیے تعظیماً کھڑا نہ ہونا، سلام و مصافحہ کرنا، اپنا کام خود کرنا اور اہلِ خانہ کی خدمت کرنا شامل ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے چند احادیث کو جمع کیا پھر معاشرے کے کچھ افراد سے زیرِ غور عادات کی افادیت پر ان کا نقطۂ نظر جانا۔ ہماری کوشش ہے کہ اس کتابچہ کے ذریعے ان شاءاللہ آپ کے سامنے ان نتائج کا نچوڑ پیش کیا جائے جو ہم نے اپنی مختصر سی تحقیق سے اخذ کیے تاکہ ان عادات کی اہمیت جان کر موجودہ معاشرے میں اخلاقِ حسنہ کو فروغ دیا جائے، یہ شعور اجاگر کیا جائے کہ آپ ﷺ کے اخلاق ہر دور اور ہر معاشرے میں قابلِ عمل ہیں اور سنت کو زندہ کرکے برائیوں کا خاتمہ کرنے کی سعی کی جائے۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری کاوش کو قبولیت کا شرف نصیب فرمائے اور ہم سب کے لیے ان عادات کو اپنانا آسان فرمائے۔ آمین۔

باب دوم:

اخلاقِ نبوی ﷺ سے متعلق منتخب احادیث

اس باب میں نبی کریم ﷺ کی ان عادات سے متعلق احادیث اور ان کی تشریحات موجود ہیں جن کا ذکر باب اول میں کیا گیا ہے۔

حدیث ۱:۔ بھوکے کو کھانا کھلانا اور سلام کرنا:

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم کھانا کھلاؤ اور جس کو پہچانو اس کو بھی اور جس کو نہ پہچانو اس کو بھی سلام کرو"۔ (صحیح۔ متفق علیہ)

تشریح:

اس حدیث کے مطابق یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ سے بہتر اسلام کی بابت پوچھا یعنی یہ سوال کیا کہ وہ کون سی خصلتیں ہیں جو نفع کے اعتبار سے بہترین ہیں؟ آپ ﷺ نے کھانا کھلانے اور سلام عام کرنے کا درس دیا۔ کھانا کھلانے کا رواج عام ہو جائے تو معاشرے سے بھوک کا خاتمہ ممکن ہوتا ہے اور بہت سی برائیاں جو محض بھوک کی وجہ سے جنم لیتی ہیں، ختم ہو جاتی ہیں۔ اس سے لوگوں کے آپس کے مراسم بھی بہتر ہوتے ہیں اور امیر آدمی کے دل سے دولت کا تکبر نکل جاتا ہے۔ اللہ کی محبت میں، انسانوں سے بدلے کی خواہش کے بِنا کھانا کھلانے والوں کے لیے بڑے اجر کی نوید بھی ہے۔ ایسے لوگ قیامت کے دن کی سختیوں سے بچے رہیں گے۔ سورۃ الدّہر میں ارشاد ہے:

"اور وہ اللہ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں کہ) بے شک ہم تمھیں اللہ کے چہرے کی خاطر کھلاتے ہیں، نہ ہم تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری۔ ہمیں اپنے رب کی طرف سے اس دن کا خوف ہے جو بڑی سخت مصیبت والا بڑا دن ہو گا۔ پس اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے شر سے بچا لے گا اور تازگی اور سُرور عنایت فرمائے گا۔" (۸:۱۱)

اس حدیث میں جو دوسری تاکید کی گئی ہے وہ سلام عام کرنے کی ہے۔ اس تاکید کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے بھی سلام کرو جسے پہچانتے ہو اور اسے بھی جسے نہ پہچانتے ہو۔ یعنی آپس میں سلام کو عام کرو۔ سلام کے بے شمار فائدے ہیں۔ سلام کدورت دور کرتا ہے، محبت بڑھاتا ہے، مسلمانوں کی باہمی اخوت کا ذریعہ ہے اور سلامتی کی دعا کو عام کرتا ہے۔ اس کے ذریعے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دعا دے کر اجر کا مستحق بھی بن جاتا ہے۔ ہر واقف اور اجنبی کو سلام

کرنے والے انسان کو بار بار دعادے کر اجر کمانے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں سلام کے آداب بتائے گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"چھوٹے بڑوں کو سلام کریں، چلنے والا بیٹھے شخص کو اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔"

سنن ترمذی میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت ہے جس میں سلام کا یہ ادب بتایا گیا ہے کہ بات چیت سے پہلے سلام کرو۔ اتباع سنت کے لیے ضروری ہے کہ بات چیت شروع کرنے سے پہلے سلام کیا جائے۔ بعض اوقات عجلت کی وجہ سے لوگ سلام سے قبل ہی بات چیت شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بھی رجحان ہے کہ ٹیلیفونک گفتگو کرتے ہوئے سلام کے بجائے ہاں ہیلو سے بات کا آغاز کرتے ہیں حالاں کہ گفتگو شروع کرنے کے لیے سنت کا متعین کردہ طریقہ سب سے بہتر ہے۔ کھانا کھلانا اور سلام کرنا جن کا حدیث میں ذکر کیا گیا، دونوں ہی عادات معاشرے کو پرامن بناتی ہیں۔

حدیث ۲:- مصافحہ کرنا:

براء بن عازب فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان ملاقات کرتے وقت مصافحہ کرتے ہیں تو جب تک وہ جدا نہیں ہوتے اس سے پہلے ہی ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ (یہ حدیث امام ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت براء بن عازب سے روایت کی ہے)۔

تشریح:

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ سلام کرنے کے علاوہ مصافحہ بھی سنت ہے۔ جب دو لوگ مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے درمیان باہمی الفت پیدا ہوتی ہے، دل صاف ہوتے ہیں اور بغض ختم ہوتا ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز سائنس ہے کہ مصافحہ کرنے سے دل جڑ جاتے ہیں۔ سنت کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے فائدہ انسان کا ہی ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ مزید فائدہ اجر کی صورت میں عطا کر دیتے ہیں۔ جب دو لوگ مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ کی رحمت متوجہ ہو جاتی ہے اور ان کی بخشش اس سے پہلے ہی ہو جاتی ہے جب کہ وہ جدا ہوں۔

حدیث ۳:- اپنا کام خود کرنا اور اہل وعیال کی خدمت کرنا:

حضرت اسود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کا گھر میں کیا معمول تھا؟ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ گھر والوں کی خدمت فرماتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ نماز کا وقت ہوتا۔ (امام بخاری نے یہ حدیث حضرت اسود سے روایت کی ہے۔)

تشریح:

اس حدیث سے یہ بات سیکھنے کو ملتی ہے کہ اپنے اہل و عیال کی گھر میں خدمت کرنا اور گھر کے کاموں میں ان کے ساتھ تعاون کرنا سنت رسول ﷺ ہے لہٰذا اس میں شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ اس حدیث کی روشنی میں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ انسان چاہے گھر میں ہی کیوں نہ ہو، اسے اپنا کام خود کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے جیسا کہ دیگر احادیث سے اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ آپ ﷺ اپنے ذاتی کام خود کیا کرتے تھے اور ان کاموں کا بوجھ اوروں پر نہیں ڈالتے تھے۔ اپنا کام خود کرنے والا انسان شخصیت کے اعتبار سے مضبوط ہوتا ہے اور معاشرے میں اس کا معزز مقام ہوتا ہے۔ مزید احادیث کا مطالعہ کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بکریوں کا دودھ بھی دوہا کرتے تھے اور اس طرح مختلف کاموں سے گھر والوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ یعنی آپ ﷺ کام کرنے سے عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

"آپ ﷺ اپنے جوتوں کو خود گانٹھتے تھے، کپڑے سیتے تھے اور ہر وہ کام کرتے تھے جو تم لوگ اپنے گھروں میں کرتے ہو۔"

ہمارے معاشرے میں عموماً مرد گھر میں کام کرنے کو اپنی توہین سمجھتے ہیں اور گھر کے کسی فعل میں حصہ نہیں ڈالتے۔ انھیں یہ سمجھنا چاہیے کہ گھر والوں کی خدمت سنتِ رسول ﷺ ہے۔ یہ ایک کامیاب معاشرے کی علامت بھی ہے کہ اس کے مرد بھی خواتین کے ساتھ خانگی امور میں حصہ ڈالتے ہیں۔ اس حدیث میں ایک اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نماز کے وقت میں نماز کو ترجیح دیتے تھے اور جب نماز کا وقت آجاتا تو باقی کام اور گھر والوں کی خدمت ترک کر کے نماز کی طرف جانے میں جلدی کرتے تھے۔ اس بات سے خواتین کو سبق سیکھنا چاہیے جو اکثر گھر کے کاموں اور طرح طرح کے کھانے پکانے کی فکر میں نماز میں تاخیر کر جاتی ہیں۔

حدیث ۴:- تعظیماً کھڑا ہونا:

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لاٹھی کا سہارا لے کر باہر تشریف لائے، تو ہم آپ ﷺ کی خاطر کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم ایسے نہ کھڑے ہوا کرو، جیسے عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم میں کھڑے ہوتے ہیں۔"

(مشکوٰۃ المصابیح، حدیث نمبر: ۴۶۹۹)

تشریح:

عزت واحترام ہر معاشرے میں مطلوب ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ تاہم اسلام نے اس معاملے میں بھی انتہائی خوبصورت رہنمائی سے نوازا ہے۔ عجم میں یہ رواج تھا کہ احترام کے لیے کھڑا ہونا لازم تھا اور مذہبی پیشواؤں کے آگے جھکنا ضروری تھا۔ اسلام نے اس رواج کو ختم کر دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تعظیماً کھڑا نہ ہونے کو پسند فرمایا ہے۔ اسی سلسلے میں ایک اور روایت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملتی ہے کہ "جس شخص کو یہ پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں، تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔"

تعظیماً کھڑا ہونے سے بہت سی برائیاں پیدا ہوتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس سے معاشرے میں تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کوئی برتر اور کوئی کم تر ہو جاتا ہے اور تکبر پروان چڑھ جاتا ہے۔ تعظیماً کھڑا ہونے کے حوالے سے دیگر احادیث میں بہت سی ایسی صورتیں بھی ملتی ہیں جن میں یہ جائز ہے لیکن یہ خواہش رکھنا کہ لوگ میرے لیے کھڑے ہوں جیسا کہ موجودہ دور میں اکثر لوگوں کی ہوتی ہے، صریحاً ناجائز ہے۔

حدیث ۵:- قہقہہ لگانا:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "میں نے حضور ﷺ کو مکمل ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ منہ کا اندرونی حصہ نظر آئے۔ آپ تبسم فرماتے تھے۔" (یہ حدیث مبارکہ امام بخاری نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔)

تشریح:

اس حدیث میں واضح طور پر قہقہہ لگا کر ہنسنے کی کراہت کا بیان ہے۔ آپ ﷺ قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے، آپ ﷺ کا ہنسنا تبسم فرمانے تک تھا۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ نبی ﷺ راتوں کو عبادت میں اپنے اور امت کے حق میں رویا کرتے تھے لیکن دن کو جب لوگوں سے ملتے تو خندہ پیشانی سے پیش آتے اور تبسم فرماتے۔ آپ ﷺ شرعی امور میں غصہ بھی فرماتے لیکن اس کے علاوہ عام حالات میں تبسم والے چہرے کے ساتھ ہوتے تھے۔ اگر قہقہہ لگانا کوئی بہتر فعل ہوتا تو آپ ﷺ اسے ضرور اپناتے۔ دیگر نبیوں کی سنت میں بھی تبسم فرمانا ملتا ہے۔ تبسم فرمانا اور مسکرانا انسان کی شخصیت کے وقار کو بڑھاتا ہے جب کہ قہقہہ لگانا شائستگی کو ختم کرتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ہنسی مذاق شریعت کے دائرے میں رہ کر کرنا چاہیے اور کوئی بات دل لبھائے تو مسکرانا چاہیے لیکن قہقہہ لگا کر ہنسنا ممنوع ہے۔

حدیث٦:- برے نام نہ رکھنا:

حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ :

"قیامت کے دن تمہیں تمہارے اور تمہارے باپوں کے ناموں سے پکارا جائے گا اس لیے اپنے نام اچھے رکھو۔" (یہ حدیث امام احمد بن حنبل اور امام ابو داؤد نے حضرت ابوالدرداء سے روایت کی ہے۔)

تشریح:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کے نام اچھے رکھنے چاہیں کیوں کہ ایک تو نام کے بچے پر اثرات ہوتے ہیں۔ اچھا نام ہو تو اچھا اثر اور برا نام ہو تو برا اثر ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے ناموں سے پکارا جائے گا۔ اچھے نام رکھنا بہت ضروری ہے۔ جس شخص کا نام اچھا ہو وہ پکارے جانے پر اچھا محسوس کرتا ہے۔ آج کل والدین بچوں کے نام منفرد رکھنا چاہتے ہیں اور اس کوشش میں اس امر پر توجہ ہی دینا بھول جاتے ہیں کہ نام کا معنی کیا ہے۔ بعض اوقات منفرد نام رکھنے کی خواہش میں لوگ بچوں کے نام ایسے رکھ دیتے ہیں جو معنی کے اعتبار سے بالکل بے مقصد اور مہمل ہوتے ہیں۔ ایسے نام چھوڑ کر خوبصورت معنی والے نام رکھنے چاہییں۔ آپ ﷺ ان ناموں کو تبدیل کرنے کا حکم فرماتے تھے جو معنوی طور پر برے ہوں۔ ایک اور بات جو سمجھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ نام رکھنے کے علاوہ برے ناموں سے پکارنے سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ کسی کو برے القابات سے پکارنا ایمان لانے کے بعد بہت برا ہے۔ سورۃ الحجرات آیت ۱۱ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اے ایمان والو! ایک قوم دوسری قوم سے تمسخر نہ کرے عجب نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے تمسخر کریں کچھ بعید نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ایک دوسرے کے (برے) القاب دھرو، فسق کے نام لینا ایمان لانے کے بعد بہت برا ہے، اور جو باز نہ آئیں سو وہی ظالم ہیں۔"

حدیث۷:- یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا "مسلمانوں کے گھروں میں سے بہترین گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں سے بدترین گھر وہ ہے جہاں یتیم کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہو۔" (ابن ماجہ، حدیث: ۳۶۷۹)

تشریح:

آپ ﷺ یتیم پیدا ہوئے اور یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی بے حد تاکید کی۔ یتیم باپ کے دستِ شفقت سے محروم

ہونے کے باعث ہمدردی اور توجہ کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔اس حدیث میں نبی ﷺ نے بہترین اور بدترین گھر یتیم کے ساتھ سلوک کی بنا پر قرار دیا کہ وہ گھر بہترین ہے جس میں یتیم کے ساتھ حسنِ سلوک ہو اور وہ گھر بدترین ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ برا سلوک روا رکھا جائے۔ یتیم معاشرے کا کمزور طبقہ ہوتا ہے۔ یتیم وہ بچے ہیں جنھوں نے اپنے باپ کو اس وقت کھو دیا ہو جب کہ وہ نابالغ ہوں۔ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اس کی رہائش، کھانے پینے اور ضروریاتِ زندگی کا انتظام کرنا، اس کو تعلیم دینا اور اس پر مال خرچ کرنا وہ خدمات ہیں جو یتیم کے لیے انجام دی جاسکتی ہیں۔ یتیم کی کفالت کرنے والے کے حوالے سے آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیاں ملا کر فرمایا کہ یتیم کی کفالت کرنے والا اور میں جنت میں اس طرح ساتھ ہوں گے۔ (مسند احمد) یتیموں کو جھڑکی نہیں دینی چاہیے اور نہ ہی انہیں طعنے دینے چاہییں۔ ان کے حق کو دبانا بھی نہیں چاہیے اور نہ ہی انھیں کمزور سمجھ کر ان کا مال کھانا چاہیے۔ قرآن میں یتیم کا مال کھانے والوں کو اس بات سے تشبیہ دی گئی ہے کہ گویا وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں۔ کوئی معاشرہ اس وقت تک کامیاب معاشرہ نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنے ہر طبقے کا خیال نہ رکھے۔ اسلام کی خوبصورتی یہی ہے کہ اس نے کمزوروں کو ان کے حقوق دیے ہیں اور خوش گوار معاشرے کی بنیاد فراہم کی ہے۔

باب سوم:

منتخب عادات سے متعلق موجودہ معاشرے کے افراد کی رائے

اس باب کی رو سے معاشرے کے کچھ افراد جن میں کچھ علمائے دین، مدرسین، اساتذہ، علومِ دین حاصل کرنے والے طلبا اور عام لوگ شامل ہیں، سے منتخب عادات سے متعلق سوالات کیے گئے۔ یہاں وہ سوالات اور ان کے جوابات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

سوال ۱: آپ کے نزدیک بھوکوں کو کھانا کھلانا کیسا عمل ہے؟

اس سوال کی روشنی میں حاصل ہونے والے جوابات کا نچوڑ کچھ یوں تھا کہ بھوکوں کو کھانا کھلانا ایک افضل، بہترین اور جنت میں لے جانے والا معزز عمل ہے۔ دینِ اسلام کی تاریخ میں یہ بھی ملتا ہے کہ یہ عمل حضرت ابراہیمؑ کی سنت تھی، وہ مہمان تلاش کر کے انہیں کھانا کھلایا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ۲۶ بار بعام کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ نیز یہ کہ صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلانا اور شکر گزاری اور بدلے کی امید نہ رکھنا اس عمل کو زیادہ خوبصورت بنا دیتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ کھانا کھلانا بہترین صدقہ ہے۔ یہ جنتیوں کی سنت ہے۔ آپ ﷺ خود بھی بھوکوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کھانا کھلانے اور پانی پلانے کو لازم پکڑ لو۔ اس عمل کی اہمیت کا اندازہ یہاں سے بھی ہوتا ہے کہ رمضان میں کسی عذر کی بنا پر روزہ نہ رکھنے کا فدیہ مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔ چند اور چیزوں کا کفارہ بھی یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کے حساب سے انسانوں کو یوں پیدا فرمایا ہے کہ کچھ لوگ غریب اور کچھ دولت مند ہیں۔ یہ تفریق بلا حکمت نہیں ہے۔ مال داروں کو دولت دے کر آزمایا گیا ہے کہ وہ کس حد تک اللہ کے مستحق بندوں کی مدد کرتے ہیں۔ معاشرے پر بھوکوں کو کھانا کھلانے کے وسیع اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس سے غریبوں اور دولت مندوں کے درمیان طبقاتی نفرت ختم ہوتی ہے۔ آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ معاشرے سے بہت سے جرائم کا خاتمہ ہو جاتا ہے کیوں کہ اکثر جرائم جیسے چوری، خودکشی، ڈاکہ زنی اور بے راہ روی کا تعلق بھوک سے ہی ہے۔ اسلام نے بھوکوں کو کھلانے کا جو عمل رکھا ہے، اس سے بہت سی معاشرتی خرابیوں پر قابو پانا ممکن ہے۔ اسلامی معاشرے میں اس کی اہمیت مسلم ہے کہ ایک صحت مند معاشرہ دوسروں کی خیر خواہی اور محبت کے جذبات سے بھرپور اسی وقت ہو سکتا ہے جب لوگ ایک دوسرے کا خیال رکھنے والے ہوں۔

سوال ۲: سلام اور مصافحہ نہ کرنا معاشرے میں کس بگاڑ کا سبب بنا ہے؟

اس سوال کی روشنی میں دیے جانے والے جوابات سے یہ نتیجہ نکلا کہ وقت کے ساتھ ساتھ معاشرے سے سلام اور مصافحہ کا رواج اٹھتا جارہا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے درمیان اجنبیت بڑھ گئی ہے اور رواداری ختم ہوگئی ہے کیوں کہ سلام نہ کرنے سے انسان خود کو بڑا سمجھنے لگتا ہے جس سے بے جا تکبر پیدا ہوتا ہے۔ حدیث کا مفہوم ہے کہ سلام دل سے تکبر کو مٹا دیتا ہے۔ جب ہم سلام کرتے ہیں تو ایک دوسرے کو سلامتی و عافیت کی دعا دیتے ہیں۔ کسی اور آدابِ تہذیب کو بجالانے میں ایسی جامعیت نہیں جیسی اسلام کے متعین کردہ سلام میں ہے۔ اسلام نے محبت کے اظہار کے لیے سلام کے ساتھ مصافحہ بھی رکھا ہے جو نہ صرف محبت کا اظہار ہے بلکہ حدیث کی رو سے اس کے ذریعے مسلمانوں کے گناہ بھی بخشے جاتے ہیں۔ سلام نہ کرنے والا بخیل ہے جو کہ بدترین صفت ہے۔

سلام و مصافحہ محبت و اخوت کا سبب بنتا ہے۔ جب اسلامی معاشرے سے سلام اور مصافحہ کی روایت ترک کردی جاتی ہے تو معاشرے میں بغض، حسد، نفرت، کینہ، بے دینی اور بدنظمی کی فضا پیدا ہوجاتی ہے۔ اسی سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے اور معاشرہ تباہی کی راہوں پر چل پڑتا ہے۔

سوال ۳: اپنا کام خود کرنے سے انسان کی شخصیت میں کیا تبدیلی آتی ہے؟

اس سوال کی رو سے ملنے والے جوابات کا نچوڑ کچھ یوں ہے۔ انسان جب اپنا کام خود کرتا ہے تو اس میں عاجزی و انکساری پیدا ہوتی ہے۔ اس کی ذات میں خود اعتمادی پیدا ہوجاتی ہے اور روزمرہ زندگی میں توازن آجاتا ہے۔ اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرنے والا انسان کسی دوسرے پر بوجھ نہیں بنتا اور ایک پر اعتماد زندگی گزارتا ہے۔ یہ عادت سنتِ رسول ﷺ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ گھر میں اپنا کام خود کرتے تھے۔ کپڑے سیتے، جوتے گانٹھتے، بکریوں کا دودھ دوہتے اور اسی طرح دوسرے کام کیا کرتے تھے۔ جب نبی ﷺ کا یہ عالم تھا جو مرتبے کے اعتبار سے بہت بلند ہیں تو عام انسانوں کو تو یہ صفت بدرجہ اولٰی اپنانی چاہیے۔

اپنا کام خود کرنے سے انسان اپنے آپ کو خود مختار محسوس کرتا ہے۔ اسے اپنے ہر کام کی ذمہ داری لینی آجاتی ہے۔ وہ نتائج کا ذمہ دار خود کو ہی سمجھتا ہے لہٰذا زیادہ ذمہ داری اور نظم و ضبط سے اس کام کو انجام دیتا ہے۔ اپنا کام خود کرنے کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان برے وقت میں کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ اس میں سے سستی ختم ہوجاتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنا کام خود کرنے سے انسان کو راحت و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اس کی کارکردگی زنگ لگنے سے محفوظ ہوجاتی ہے۔ ایسا انسان لوگوں کی نگاہ میں بھی قابلِ احترام بن جاتا ہے اور اس کا وقار بڑھ جاتا ہے۔ دینے والا ہاتھ بلاشبہ لینے والے

ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔

سوال ۴: تعظیماً کھڑا ہونا معاشرے میں ایک عام رواج ہے۔ آپ کے نزدیک اس رواج نے معاشرے میں کون سی خرابیاں پیدا کی ہیں؟

اس سوال سے متعلق ملنے والے جوابات سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ تعظیماً کھڑا ہونا ناپسندیدہ ہے تاہم کچھ صورتوں میں شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔ یعنی یہ کہ والدین، اساتذہ اور بزرگوں سے ملنے یا ان سے مصافحہ وغیرہ کرنے کے لیے اٹھا جاسکتا ہے۔ اس عادت کے ذریعے اگر کسی کو عزت واحترام دینا مقصود ہو تو اس کھڑے ہونے میں کوئی قباحت نہیں کیوں کہ اس کی کئی مثالیں حیاتِ طیبہ میں موجود ہیں۔ تاہم صرف تکریم کے لیے کھڑے ہو جانا اور سر جھکانا اسلام میں ناپسندیدہ ہے۔ ایسا شخص جو خود چاہے کہ اس کے لیے کھڑا ہوا جائے، تو ایسی صورت تو بالکل ہی ناجائز ہے۔

تعظیماً کھڑا ہونا بھی معاشرے میں بہت سے بگاڑ کا سبب بنا ہے کہ لوگ ایک رسم کے تحت کھڑے ہوتے ہیں جس سے تکبر بڑھ جاتا ہے۔ اس رواج کے سبب لوگ خود کو دوسروں سے بہتر سمجھنے لگتے ہیں جس سے انکساری کی کمی واقع ہو جاتی ہے اور لوگوں میں تفریق پیدا ہو جاتی ہے۔ تعظیم حاصل کرنے کی خواہش، خود کو بڑا ثابت کرنے کے شوق اور اسی طرح کی خود پسندی کے پروان چڑھنے سے یہ بھی نقصان ہوا ہے کہ اس عمل کو علامت بنا لیا گیا ہے۔ یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ تعظیم صرف اسی طریقے سے ممکن ہے حالاں کہ تعظیم تو دل میں ہوتی ہے اور اگر دل میں کسی کے لیے تعظیم ہو تو رویے میں بھی آ ہی جاتی ہے۔ مگر ہمارے اس معاشرے کی ہر چیز ظاہری اور دکھاوے کی غرض سے ہو گئی ہے۔

آج کے سوشل میڈیا کے دور میں جہاں ہر کام دکھاوے کے لیے ہوتا ہے اور غرور و تکبر بے پناہ بڑھ گیا ہے، وہیں بہت سے نیکیوں کے کام بھی نعوذ باللہ بکثرت دکھاوے اور ریاکاری کے لیے ہوتے ہیں۔ شاذ و نادر کو چھوڑ کر اکثر مقامات پر معزز مہمانان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے لیے کھڑا ہوا جائے اور نعرے لگائے جائیں۔ ایسے میں تعظیماً کھڑا ہونے سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

سوال ۵: آپ کے خیال میں قہقہہ لگانا کیوں ناپسندیدہ ہے؟

اس سوال کی رو سے جو جوابات حاصل ہوئے، ان کا خلاصہ کچھ یوں نکلتا ہے کہ قہقہہ لگانا ایک نامناسب فعل ہے۔ قہقہہ اس ہنسی کو کہا جاتا ہے جس میں مسوڑے، تالو اور حلق کا کوا نظر آئے۔ یہ نبی کریم ﷺ کی عادت تھی کہ وہ مسکراتے اور تبسم فرماتے تھے لیکن قہقہہ نہیں لگاتے تھے۔ قہقہہ لگانے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ انسان آنے والے حالات اور قبر کو بھول کر

صرف دنیا میں مگن ہو جاتا ہے۔ قہقہہ لگانے سے انسان کی شخصیت غیر سنجیدہ اور اس حد تک دوستانہ معلوم ہوتی ہے کہ لوگ اسے غیر ذمہ دار سمجھنے لگتے ہیں اور اس کے اثرات اس کی شخصیت کو ہلکا بنا دیتے ہیں۔ عورتوں کے لیے قہقہہ لگانا کسی اجتماعی جگہ پر مردوں کو متوجہ کرنے کا سبب بنتا ہے جو کہ فتنے کا باعث ہو سکتا ہے۔

قہقہہ انسانی وقار کے بالکل منافی ہے۔ دینِ اسلام نے ہمیں طرز زندگی دیا ہے، معاشرتی آداب دیے ہیں، ہر مرحلے میں وقار سکھایا ہے، گفتگو کا سلیقہ اور کھانے پینے کا طریقہ بتایا ہے، چلنے پھرنے کا انداز اور اٹھنے بیٹھنے کے اطوار سکھائے ہیں۔ اسی طرح خوشی کے موقع پر اس کے اظہار کے طور پر مسکرانا اور تبسم کرنا سکھایا ہے۔ اسی میں وقار اور شائستگی ہے اور معاشرے میں قہقہہ لگانے کی عادت وقار اور شائستگی کے خلاف ہے لہٰذا اس اخلاقی حرکت سے اجتناب بہت ضروری ہے۔

<u>سوال ۶: انسان کو جس نام سے پکارا جاتا ہے، آپ کے نزدیک وہ نام یا لقب انسان کی شخصیت پر کس حد تک اثر ڈالتا ہے؟</u>

اس سوال کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ ملا کہ اچھے ناموں کے شخصیت پر اچھے اور برے ناموں کے برے اثرات ہوتے ہیں۔ ابنِ مسیبؒ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا کا نام حزن تھا۔ چنانچہ جب وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کا نام پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ میرا نام حزن (بمعنی سختی) ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سہل (بمعنی نرمی) ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ میرے والد یہ نام حزن رکھ گئے ہیں۔ میں اسے نہیں بدلوں گا۔ چنانچہ ابنِ مسیبؒ بیان کرتے ہیں کہ بعد تک ان کے خاندان میں مصیبت اور سختی ہی رہی۔ حدیث میں اچھے نام رکھنے کی تاکید کی گئی ہے اور ایسے نام جن کے معنی خراب اور برائی کی طرف مشیر ہوں رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن کی ایک آیت کا مفہوم بھی ہے کہ ایک دوسرے کو برے ناموں، برے القاب سے نہ پکارو۔ نام کا شخصیت پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ اچھے نام سے انسان کے ذہن میں اس کی اچھی شبیہ بنتی ہے جس سے انسان درست طریقے سے اپنے بارے میں سوچتا ہے اور خود اعتمادی بڑھتی ہے جب کہ برے نام سے انسان کے ذہن میں اس کی عزت اور تصویر خراب ہو جاتی ہے۔

انسان کی یہ نفسیات ہے کہ اسے اپنے نام سے ایک خاص لگاؤ ہوتا ہے اور لاشعوری طور پر وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے اور ان ہی صفات کو اپناتا ہے جس نام سے اسے مخاطب کیا جاتا ہے۔ نام رکھنے کے علاوہ کسی کو اچھے نام سے پکارنا بھی آپس میں خوش گوار تعلقات کو مستحکم کرتا ہے اسی لیے بچوں کو شیطان کہنا یا برے، نامناسب اور شر والے معنی دینے والے ناموں سے پکارنا بالکل غلط طریقہ ہے۔ مفہومِ حدیث ہے کہ والدین کا اپنے بچے کے لیے پہلا تحفہ نام ہے لہٰذا اچھا نام رکھنا چاہیے۔

سوال ۷: نبی کریم ﷺ نے یتیموں کے حوالے سے جو تاکید کی، کیا آج کا ہمارا یتیم خانوں سے پر معاشرہ اس تاکید پر پورا اترتا ہے؟

اس سوال کی رو سے ملنے والے جوابات سے یہ مفصل نتیجہ برآمد ہوا کہ بے شک یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک دنیا و آخرت میں بڑے اجر کا باعث ہے اور وہ گھر بہترین ہے جہاں کسی یتیم کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے۔ لیکن یتیموں کا خیال رکھنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری بھی ہے اس لیے یتیم خانے قائم کرنا ضروری ہے۔ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ یتیموں کی کفالت کے لیے سرکاری خزانے سے رقم نکالے یا بیت المال سے ان کے اخراجات کا انتظام کرے۔ اگر یتیموں کا کوئی نہیں ہے تو حکومت کے علاوہ عام مسلمانوں پر ان کا خیال رکھنا لازم ہے۔ مغربی ممالک میں یتیم خانے ہیں جہاں ہر قسم کی سہولت کا انتظام ہوتا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلم معاشروں میں یتیم خانوں کا فقدان ہے۔ پاکستان میں یہ صورتِ حال ناگفتہ بہ ہے۔ البتہ کچھ ادارے ایسے ضرور موجود ہیں جو یتیموں کی کفالت کی ذمہ داری بخوبی اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اگر خاندان والے ہی یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کریں اور اس ضمن میں اللہ اور رسول ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں تو یتیم کبھی یتیم خانوں میں نہ پلیں۔
بہر حال، موجودہ معاشرے کی ضروریات کے پیشِ نظر یتیم خانے ضروری ہو گئے ہیں۔ تاہم اسلام نے یتیموں کی دیکھ بھال کے جو اصول وضع کیے ہیں، دکھ کی بات یہ ہے کہ ہمارے اکثر یتیم خانے ان سے خالی ہیں اور بہت کم ہی یتیم خانے ان اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ تقوٰی کی شدید کمی ہے، ایمان کی تجدید ہی اس برائی کی جڑیں کھوکھلی کر سکتی ہے۔ یتیم خانے امداد جمع کرتے جا رہے ہیں اور یتیموں کے نام پر جیبیں بھرتے جا رہے ہیں۔ جن یتیم خانوں میں یتیم کے خاندان والے کرتا دھرتا ہیں وہ یا تو آخرت کا خوف ہی نہیں رکھتے یا یہ یقین نہیں رکھتے کہ وہ اپنے رویے سے دنیا میں یہ ثابت کر رہے ہیں کہ گھر میں رکھ لیا، یہی بڑا پن ہے۔ وہ اس فکر سے آزاد ہیں کہ مال جو اس یتیم کا ہے، اس پر کبھی جواب طلبی بھی ہو گی۔
سوال ۸: حدیث میں اہل و عیال کی خدمت کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے ہم اپنے اہل و عیال کی خدمت کن کن طریقوں سے کر سکتے ہیں؟

اس سوال کے نتیجے میں ملنے والے جوابات کا نچوڑ یہ ہے کہ ہم اپنے اہلِ خانہ کی خدمت ایسے کر سکتے ہیں کہ ہم ہر معاملے میں ان کے لیے آسانیاں پیدا کریں۔ ان کی مشکلات کو کم کریں اور جس حد تک ممکن ہو ان کے کام آئیں۔ ماں باپ کی خدمت کریں، بڑوں کے ساتھ حسنِ سلوک کریں، ان سے پیار سے پیش آئیں، ان کی ضروریات کو پورا کریں، ان کو وقت دیں اور

یہ احساس دلائیں کہ وہ ہمارے لیے اہم ہیں۔ قرآن کریم میں اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچانے کا حکم ہے۔ اہلِ خانہ کے لیے یہ بہت بڑی خدمت ہو سکتی ہے کہ انھیں خیر کی طرف بلایا جائے اور جہنم سے بچایا جائے۔ ان میں تقویٰ پیدا کرنے کی فکر کی جائے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے حقوق دیے جائیں اور مسکرا کر ان سے بات کی جائے۔ شب و روز احسان نہ جتایا جائے اور ان کے آرام کا خیال رکھا جائے۔

<u>سوال ۹: کن طریقوں سے سیرتِ طیبہ کو فروغ دیا جا سکتا ہے اور معاشرے سے برائیوں کا تدارک کیا جا سکتا ہے؟ تجاویز پیش کریں۔</u>

اس سوال کی رو سے جو جوابات موصول ہوئے، انھیں تلخیص کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ آج ہمارا معاشرہ مختلف برائیوں میں مبتلا ہے۔ ذخیرہ اندوزی، لوٹ مار، ڈاکہ زنی، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، وعدہ خلافی، خیانت، رشوت خوری، جوا اور سود وغیرہ۔ یہ بات ہر شک و شبہے سے بالاتر ہے کہ ہمیں ان مسائل کے حل کے لیے دنیا کے کسی بڑے مصلح رہبر کی ضرورت نہیں۔ قرآن مجید میں واضح طور پر اشارہ دے دیا گیا ہے کہ اللہ کی رضا اور خوشنودی صرف اللہ اور رسول ﷺ کی پیروی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اصلاحِ معاشرہ کے لیے ہمیں سب سے پہلے اتباع رسول ﷺ کا راستہ اختیار کرنا ہوگا کیوں کہ اصلاحِ معاشرہ کے سلسلے میں آپ ﷺ نے جو کامیابی حاصل کی وہ تاریخ کا سب سے بڑا اور اہم واقعہ ہے۔ سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے قول و فعل میں تضاد نہ تھا لہٰذا ہمیں بھی اصلاحِ معاشرہ کے لیے اپنے قول و فعل کو یکساں کرنا ہوگا۔ رسول ﷺ نے جھوٹ اور دھوکا دہی سے ہمیشہ اعراض کیا کیوں کہ برائیوں کی جڑ جھوٹ ہے، ہمیں بھی اس سے اعراض کرنا ہوگا۔ اجتماعی اصلاح سے پہلے انفرادی اصلاح ضروری ہے کیوں کہ فرد کی اصلاح معاشرے کی اصلاح ہے۔ ہمیں اپنی ذات کی اصلاح کے لیے عقیدے کی درستی اور اللہ کی وحدانیت پر یقین پختہ کرنا ہوگا تاکہ آخرت میں جواب دہی کا خوف ہو۔

سیرت کو فروغ دینے کے لیے ہمیں چاہیے کہ دعوت کا کام کریں، قرآن و حدیث کی تعلیم عام کریں، لوگوں کو ادب سکھائیں اور دین کا صحیح علم لوگوں تک پہنچائیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ بچوں کو بچپن ہی سے سیرتِ طیبہ کی تعلیم دی جائے اور انھیں اخلاقِ نبوی ﷺ سے آشنا کیا جائے۔ اسکولوں میں سیرت کو بطورِ مضمون نصاب میں شامل کیا جائے کیوں کہ سیرت کا علم ہمارے بچوں کے لیے ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ کوئی دوسرا علم۔ آج کل سوشل میڈیا کا دور ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس کا درست استعمال کرتے ہوئے لوگوں تک صحیح احادیث پہنچائی جائیں، آپ ﷺ کی زندگی کے بارے میں لوگوں کو بتایا جائے، واٹس ایپ اور دیگر سوشل میڈیا ایپس پر گروپس بنا کر سیرت کو فروغ دیا جائے اور

لوگوں کو سیرتِ نبوی ﷺ پر مبنی معلومات فراہم کی جائے۔ معاشرے سے برائیوں کا تدارک اسی صورت میں ممکن ہے جب اپنی ذات کو اور اپنے گھر کو برائیوں سے بچایا جائے۔

سیرت کے فروغ کے لیے لازم ہے کہ حکومتی سطح پر اس کے لیے جدوجہد کی جائے اور قانونی طور پر اسکولوں میں اسلامک نظام نافذ کرنے پر زور دیا جائے۔ اسکول فنکشنز میں رقص اور فضول ٹیبلوز ختم کروا کے سنت کے مطابق سرگرمیاں کروائی جائیں۔ جب بچہ بچپن ہی سے سیرت کی پیروی ہوتے دیکھے گا تو وہ خود بھی یہی کرے گا نتیجتاً معاشرے سے برائیوں کا تدارک ہو جائے گا۔

فاطمہ شاہ پی اے بی سیکنڈری اسکول فار دا وژو ئلی امپیئرڈ گرلز پبلشرز